حدیث وسنت کا مفہوم اور فرق

(ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی رائے میں)

شیمار بانی، اسسٹنٹ پروفیسر
پی ای سی ایچ ایس گورنمنٹ کالج برائے خواتین، کراچی

سنت کے جو عمومی مفہوم لئے جاتے رہے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ زندگی اور اصول زندگی ہیں، مگر بعض محققین کے نزدیک دائرہ سنۃ کا مفہوم وسیع ہے، ان اسکالرز میں ایک اہم نام ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا بھی ہے. ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحقیق اور کتب میں اس مفہوم کی وضاحت کرنے کی بھر پور کوشش کی ہے. تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں سنت اور حدیث اپنے دو الگ الگ مفاہیم رکھتے تھے مگر تیسری صدی ہجری تک یہ اصطلاحات ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال ہونے لگیں خصوصاً حدیث کو سنت کی جگہ استعمال کیا جانے لگا. ایسا کیوں ہوا، اور اس کے اثرات معاشرے پر کس طرح مرتب ہوئے؟ یہ بھی جاننا ضروری نظر آتا ہے کہ ابتداء میں سنت کا دائرہ کہاں تک وسیع تھا اور ابتداً سنت اور اجماع کے مفہوم میں کیا تعلق تھا اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ اجماع کے لئے کیا مفہوم مخصوص ہو گیا؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا احاطہ پیش نظر مضمون میں کرنے کی کوشش کی جارہی ہے.

عربی زبان میں لفظ حدیث کے لغوی معنی کہانی، مکالمہ اور آپس میں بات چیت کرنے کے ہیں، چاہے ان کا موضوع مذہب ہو یا تاریخ یا پھر زمانہء حاضر کے محدثین کے مطابق یہ لفظ صرف رسول اللہ ﷺ سے جو بات بیان کی جائے اس کے لئے مخصوص ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کے افعال، اقوال، اور تمام امور زندگی سے متعلق طریقہ شامل ہے. اسی طرح ''علم حدیث'' (Hadith Literature) سے مراد وہ تمام علم ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ اور ان تمام افعال کے متعلق روایت کی گئی ہو جن کو انھوں نے پسند یا منظور و نا منظور کیا ہو. بعض اوقات یہ اصطلاح وسیع معنی میں بھی استعمال ہوتی تھی جس میں صحابہ کرامؓ اور تابعین کی روایات بھی شامل سمجھی جاتی تھیں.(۱)

عربی زبان میں السنۃ کے معنی راستہ، اصول، طریق اور ایک طریقہء زندگی کے ہیں. قرآن میں لفظ سنۃ ۱۳ مرتبہ اور اس کی جمع سنن دو مرتبہ استعمال ہوا ہے، جہاں اس کے معنی ایک مقرر شدہ راستہ اور اصول، زندگی کے رہنما اصول کے ہیں. قرآن نے اس لفظ کو مسلمان معاشرے کے اپنائے ہوئے طریقہء عمل سے متعلق کیا ہے، البتہ بعد کے

زمانے میں یہ لفظ محض رسول اللہ ﷺ کے طریقہ عمل کے بیان کے لئے مخصوص ہو گیا۔

ایک محقق ڈاکٹر مصطفٰی عزمی نے ابوالبقاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ سنت کی اصطلاح ابتداء میں صرف رسول اللہ ﷺ کی سنت کے لئے ہی استعمال نہیں ہوتی تھی بلکہ اس میں صحابہ ؓ کی سنت بھی شامل تھی مگر امام شافعیؒ نے سنت کی اصطلاح کو صرف رسول اللہ ﷺ کی سنت کے لئے استعمال کیا۔عہد رسالت میں سنۃ اور حدیث کی اصطلاحات دونوں ایک دوسرے کے لئے استعمال ہو جایا کرتی تھیں لیکن ان میں کچھ فرق تھا، حدیث میں بعض اوقات ایک سنت یا ایک سے زائد سنت بھی بیان ہو جاتی تھیں۔(۲)

صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سے زیادہ روایات بیان کرنے میں احتیاط کیا کرتے تھے، لیکن اسکے باوجود کچھ صحابہ نے احادیث کو اپنے پاس ابتدائی زمانے میں ہی تحریری طور پر محفوظ کر لیا تھا یہ تحریری مسودے "صحیفہ" کہلائے اور عموماً خطابت کے دوران استعمال کئے جاتے تھے، بعد میں ان صحابہ کرام کے خاندانوں نے ان صحیفوں کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور یہ آئندہ کی نسل جو کہ "تابعین" کہلائی، ان تک پہنچے۔

رسول اللہ ﷺ بذات خود قرآن اور سنت کی تعلیم و تربیت پر زور دیتے تھے۔خصوصاً اصحاب صفہ کے لئے جو طریقہ تعلیم مخصوص کیا گیا تھا اس میں قرآن کی تعلیم کے بعد سنت کی تعلیم اور اس کے ساتھ ساتھ تحریر کے ہنر کو سیکھنے پر توجہ دی جاتی تھی۔رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب براہ راست وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا تو مسلمانوں کے لئے حدیث کی اہمیت میں بہت اضافہ ہو گیا۔(۳)

ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے سنت کو زندگی کا رویہ قرار دیا ہے جو کہ ذہنی اور جسمانی اعمال اور افعال پر مشتمل ہوتا ہے۔یہ محض کسی منفرد رویے کا نام نہیں بلکہ ایک ایسا قطعی عمل ہے جو کہ بار بار دوہرایا جانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔دوسرے الفاظ میں سنت رویے کا ایسا اصول ہے جو کہ ایسی نظیر ہو جسے اپنایا جا سکتا ہو۔سنت محض رویہ نہیں بلکہ ایک مثالی اخلاقی معیار (Normative Moral law) ہے۔اخلاقی عنصر کو سنت کے مفہوم سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔اس طرح سنت چونکہ اطواری نظریہ (Behavorial Concept) ہے اس لئے اس میں معاشرے کے وہ تمام اعمال بھی شامل ہیں جو یا تو معاشرے کے اصل طریقے رہے ہوں یا پھر مثالی طریقے ہوں۔سنت بنیادی طور پر "مثالی افعال" ہیں جو کہ اپنا لئے گئے ہوں، اس کی مثال ابو یوسف (عباسی دور کے مشہور قاضی القضاۃ) کی جانب سے خلیفہ ہارون الرشید کو دیا جانے والا مشورہ بھی ہے جو کہ کتاب الخراج ا۔(بحوالہ المعجم المفوس للفاظ القرآن الکریم محمد فواد عبدالباقی ۱۳۷۴ھ، تہران (ایران) کے باب صدقات میں دیا گیا کہ سنت حسنہ متعارف کرائیں۔(۴)

سنت چونکہ "مثالی اخلاقی رویہ" ہے اس لئے اس کے ساتھ معیار اور بالکل درست ہونے کا نظریہ بھی منسلک ہو

جاتا ہے. اس لئے ''سنۃ'' کے لئے ''سنن الطریق'' کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے جس کا مفہوم ''راہ مستقیم'' ہے. '' راہ مستقیم'' چونکہ ایسی راہ ہے جس سے دائیں یا بائیں راستہ اختیار نہیں کیا جا سکتا لہذا اس کے معنی ''درمیانی راہ'' یعنی ''دو حدوں کے درمیان راستہ'' کو اختیار کرنے کے بھی ہیں یعنی ''متوسط راہ''.

ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے چند مغربی مفکرین اور مستشرقین جنھوں نے ''سنت'' سے اس ''اصل دستور'' یا عمل کے جو مفہوم لئے ہیں جو کئی نسلوں تک معاشرے میں قائم رہا اور پھر مثالی معیار قرار پایا اور سنت کہلایا، کا جائزہ اس طرح لیا ہے کہ. اس سلسلے میں وہ چند مغربی مفکرین کی رائے اس طرح پیش کرتے ہیں، جدید دور کے ایک اہم مستشرق Ignaz Goldziher نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کے افعال و اعمال نئی اسلامی سوسائٹی کے لئے سنت قرار پائے اور قبل از اسلام کی عرب سنت رک گئیں۔

ایک ولندیزی مفکر Snouck Hurgronje کے مطابق مسلمان سنت میں اضافہ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کے تمام اعمال اور نظریات مکمل طور پر وضع ہو کر سامنے نہ آ گئے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے مطابقت رکھتے تھے.(۵)

Joseph Schact نے لکھا ہے کہ ''سنت رسول اللہ'' نسبتاً بعد کے دور کی اصطلاح ہے کیونکہ ابتدائی مسلمان نسلوں کے مطابق سنت سے مراد مسلمانوں کے عام عمل ہی لئے جاتے تھے. ان مفکرین نے ابتدائی زمانے سے ہی سنت رسول کی اصطلاح کے قائم نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ سنت کا بیشتر حصہ مسلمانوں کی آزادانہ رائے جو کہ ابتدائی فقہاء نے مختلف امور پر دی، پر مشتمل ہے جو کہ ذاتی اجتہاد کے ذریعے موجود سنت کے مطابق مسائل کا حل بیان کیا کرتے تھے. مگر پھر بعد میں جب دوسری اور تیسری صدی ہجری کے دوران علم حدیث اور حدیث جمع کرنے کی عظیم تحریک جاری ہوئی تو ابتدائی سنت بھی حدیث کی صورت میں جمع کی گئی اور ان میں جو قطعی طور پر رسول اللہ ﷺ سے روایات تھیں ان کے لئے ''رسول اللہ کی سنت'' کی اصطلاح استعمال کی جانے لگی.(۶)

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے مطابق مغربی مفکرین کی ''سنت'' کے نظریہ کے بارے میں تو رائے درست ہے مگر ''سنت رسول اللہ'' کی اصطلاح کے بارے میں رائے درست نہیں کیونکہ یہ اصطلاح بالکل ابتدائی زمانے سے مسلمانوں میں موجود رہی ہے. رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے بعد سنت میں رسول اللہ کی سنت کے ساتھ ساتھ رسول کی جانب سے سنت کی توضیح بھی شامل ہو گئی تھی. اس طرح سنت ابتدائی دور میں اپنے ان معنوں میں جس میں کہ سنت کی توضیحات شامل ہیں اجماع سے قریب تر ہو جاتی ہے، جس میں ابتدائی معاشرہ فقہاء کے ذریعے سنت کی توضیحات کرتا رہا اور اس طرح یہ ایک ہمیشہ جاری رہنے والا عمل بن گیا تھا مگر حدیث کی عظیم تحریک کے بعد سنت، اجتہاد اور اجماع کا ترتیبی تعلق تبدیل ہو گیا

جو کہ ابتدائی معاشرے میں واضح نظر آتا تھا.(۷)

رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی ایک اخلاقی اور سیاسی جدوجہد تھی جو اہل مکہ اور عام عرب کے ساتھ رہی تا کہ ایک معاشرتی ریاست قائم کی جاسکے اس طرح جب ایک ریاست قائم ہوگئی تو اس مسلم معاشرے میں مسلمان اپنے روزمرہ کے امور اور کاروبار زندگی اپنی عام رسوم اور اپنی عام فہم کے مطابق گزارتے تھے، رسوم وہ تھیں جو کہ اسلام آنے کے بعد قدیم عرب کے عرف میں سے اسلام نے کچھ ترامیم کے ساتھ جاری رکھی تھیں. مسلمان اپنے عام قضیے جس سنت (سنت رسول) کی توضیح کو بنیاد بنا کر نمٹاتے تھے وہی دراصل اصل سنت کی روح تھی. اس طرح سنت صرف مخصوص عمل ہی نہیں بلکہ وہ بنیادی روح بھی ہے جو سنت کے اصول میں کارفرما ہوتی ہے.(۸)

سنت پر سب سے ابتدائی کام امام مالک (م.۱۷۹ھ) کی مؤطا ہے. جس میں امام مالک نے ہر قانونی موضوع سے پہلے یا تو رسول اللہ ﷺ سے روایت بیان کی ہے اور اگر وہ نہیں ملی تو پھر صحابہ کرامؓ سے روایت بیان کی ہے جن میں خلفاء راشدین سے روایتیں اہم ہیں. یوں کہا جاسکتا ہے کہ ابتدائی مسلمانوں کا طریقہ بھی ''سنت رسول اللہ'' سے متصل ہوگیا تھا اور ابتدائی مسلم معاشرے نے اس سنت کی نشوونما میں اہم کردار ادا کیا. اس نشوونما کا اہم ذریعہ مسلمانوں کا ذاتی اجتہاد تھا جس نے بعد میں اجماع کی شکل اختیار کی اور سنت رسول اللہ ﷺ کے ماتحت رہا، یہ الگ سے کوئی چیز نہ تھا یعنی سنت کے اجزاء اور سنت کی روح اجماع کے ساتھ مطابقت اختیار کرگئی تھی۔

پہلی صدی ہجری تک صحابہ ابھی حیات تھے لہذا وہ اپنے عمل میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے تھے، اس لئے ان کا عمل بھی سنت قرار پایا اور اخلاقی معیار بن گیا، مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایسے افراد کم ہوتے گئے اس کے علاوہ اسلامی سلطنت کی وسعت کی وجہ سے دیگر اقوام بھی اسلام قبول کر کے اس کے دائرے میں شامل ہوگئیں تو رسول اللہ ﷺ کے اصل عمل اور انکے پیروکاروں کے عمل کو الگ الگ کرنا ضروری ہوگیا لہذا احادیث جمع کرنے کا سلسلہ شروع ہوا. ابتداء میں تو اسناد کو بھی ضروری نہ سمجھا گیا مگر جب مزید وقت گزرا تو اسناد کا علم بھی ضروری اور لازم قرار پایا.

خود مسلم اہل القران علماء نے ابتداء میں حدیث کو قابل اعتبار مآخذ فقہ نہ سمجھا ان کا استدلال تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ حدیث لٹریچر بڑھتا چلا گیا ہے ان کے مطابق یہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وقت کی ضرورت کے تحت احادیث گھڑی گئیں ہیں. مگر ڈاکٹر فضل الرحمن اور دیگر محققین کے مطابق احادیث کا گھڑا جانا محض اس بات سے ثابت نہیں ہو جائے تا کہ ابتدائی صدی میں احادیث کی تعداد کم تھی بلکہ اصل میں شروع میں اس کے جمع کرنے کی ضرورت اتنی شدت سے نہ محسوس کی گئی تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ضرورت اور تحقیق دونوں میں اضافہ ہوا جس سے احادیث کے ذخیرے میں اضافہ ہوتا گیا.

حدیث جمع کرنے کی یہ عظیم تحریک دوسری صدی ہجری اور تیسری صدی ہجری میں جاری رہی. حدیث رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے ہی موجود ہے اور اس وقت مسلمانوں کا یہ عام شیوہ تھا کہ وہ رسول اللہ کے مختلف امور سے متعلق افعال کے بارے میں آپس میں بات چیت کیا کرتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حدیث کی اہمیت بڑھ گئی اور آئندہ نسلوں کے لئے یہ جاننا ضروری ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ زندگی کیا رہا تھا، مگر جو احادیث موجود تھیں وہ معاشرے کے اطوار میں اس حد تک گھلی ملی ہوئی تھیں کہ وہ سوسائٹی کا عام عمل بن گئی تھیں یہی وجہ ہے کہ انکی توضیح آزادانہ اصولوں اور موجود حالات کے مطابق کی جاتی تھی. اسی چیز کو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ''جاری سنۃ'' (Living Sunnah) کہا گیا.(۹)

جب مسلم سلطنت وسیع ہوئی تو یہ ''جاری سنۃ'' کا سلسلہ دور دراز پھیلنے لگا اور توضیحات کا سلسلہ قانونی معاملات تک وسیع ہوگیا اس لئے اب احادیث کو باقاعدہ جمع اور مرتب کرنے کی ضرورت شدید تر ہوگئی. لہذا اب حدیث بیان کرنے والے راوی اپنے کام کو محض حدیث کو دستاویزی شکل میں لانا ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ اسلامی قانون کے لئے ایک پائدار مستقل بنیاد فراہم کرنا سمجھتے تھے، قانون دانوں اور فقہاء پر اعتراض کرتے بھی نظر آتے تھے کہ انھوں نے اپنے تمام قانونی کام کی بنیاد جاری سنۃ کو بنا رکھا تھا اور آزادانہ توضیحات کرتے اور قانون کی وضاحت کے لئے ذاتی رائے کو ذریعہ بناتے تھے.(۱۰)

دوسری صدی ہجری ہی میں امام شافعی کی کامیاب آمد نے اسلامی قانون سازی کے اصولوں کو نئی شکل دے دی. ابتدائی مسلمان اجماع کو ایک جاری عمل سمجھتے تھے جو ہمیشہ بڑھتا رہنے والا اور ارتقاء پذیر رہنے والا عمل ہے لیکن امام شافعی کی آمد کے بعد انھوں نے سنت، اجتہاد اور اجماع کی ترتیب کو از سر نو بیان کیا اور اجتہاد اور آزادانہ رائے کی راہ اچانک رک گئی جبکہ اجماع کا کردار احادیث کی اسناد تک محدود ہو گیا جبکہ سنت اور حدیث مماثل قرار دے دیے گئے. اس ترتیب میں سب سے پہلے سنت جس میں سنت رسول اللہ ﷺ (بنیاد احادیث تھیں) پھر سنت صحابہ کرام (خلفاء راشدین کو اولیت حاصل تھی) اس کے بعد اجماع اور سب سے آخر میں اجتہاد کو رکھا گیا.(۱۱)

ابتدائی فقہی مکتبہء فکر جو کہ ''جاری سنۃ'' کو اپنی آزادانہ رائے کی بنیاد بناتے تھے کسی معین ومخصوص بنیاد کے بجائے، انھوں نے اس تحریک حدیث کی مخالفت شروع کردی. امام شافعی نے فقہاء کو اس تنقید کا نشانہ بنایا کہ انھوں نے حدیث کی روایت کی طرف توجہ نہ دی اور نہ ہی ان کو قانون سازی میں استعمال کیا. یہ تنقید امام شافعی نے عام طور پر حجازی مکتبہء فکر کے فقہاء پر کی، لیکن بعد میں یہی نقطہء نظر ان کا عراقی مکتبہء فکر کے لئے بھی رہا.

الوزاعی مکتبہء فکر احادیث کو بہت اہمیت دیتے تھے مگر وہ جاری سنۃ اور جاری طریقے کو بھی بنیادی مقام دیتے

تھے۔ وہ معاشرے اور اس کے حاکموں کے طریقے کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے قانونی دلائل دیا کرتے تھے۔ الوزاعی، حجازی مکتبہءفکر سے تعلق رکھتے تھے۔ عراقی مکتبہءفکر احادیث رسول کو سب سے بنیادی اہمیت دیتے تھے مگر قانونی توضیحات کے وقت موجودہ حالات سے اخذ کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ (۱۲)

ان حالات میں امام شافعی نے ایک کامیاب تحریک کے ذریعے احادیث کو جاری سنۃ کے متبادل حیثیت سے منوایا تیسری صدی ہجری کے آخر میں احادیث کے بے شمار مجموعے سامنے آئے جن میں سے چھ مجموعہ علماء و محدثین کے نزدیک مستند قرار پائے جن کو ''صحاحِ ستۃ'' کہا جاتا ہے۔ تحریک حدیث نے مسلمانوں کے قانونی مذہبی ڈھانچے کے اصولوں کو از سر نو مرتب کیا جس میں سب سے اہم کردار امام شافعی کا رہا، ان کے نزدیک احادیث قانون کی بنیاد ہیں لہذا احادیث کے وسیع ذخیرے کی ضرورت ہے۔ اب احادیث نہ صرف قانونی نظام کے لئے بنیاد بنیں بلکہ مذہبی اعتقاد اور اصول بھی قرار دی گئیں۔

امام شافعی کے رسالے'' النسخ والمنسوخ'' کے انگریزی ترجمے میں ڈاکٹر خلیل سیمان نے امام شافعی کے حوالے سے سنت کی تعریف یوں بیان کی ہے کہ ''حقیقی سنت وہ ہے جو کسی شخص جو کہ اپنے ایمان، قول کی سچائی، مواد کو روایت کرنے کے اعتبار سے زیرک اور اللہ سے خبردار رہنے والا ہو، نے بیان کی ہو۔''۲

اسی زمانے میں جب تحریک حدیث اپنے عروج کو پہنچ رہی تھی، اسی دوران مختلف مذہبی مکتبہءفکر کے درمیان اختلافی مباحثے شروع ہو چکے تھے۔ اس طرح کی ایک عظیم کشمکش ''اہل الکلام'' (Rationalists) اور ''اہل الحدیث'' (Traditionists) کے درمیان ابتداء سے ہی پیدا ہو چکی تھی جس میں اہل الکلام اپنی تمام تر عقلی جدوجہد کے باوجود آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جا رہے تھے اور جب تیسری صدی ہجری کے وسط میں ''روایات'' احادیث کی صورت میں مستند شکل میں جمع کر لی گئیں تو اہل الکلام مکمل طور پر پسپا نظر آنے لگے۔ (۱۳)

اہل الکلام نے ''جاری سنۃ'' کے مقابلے میں ''قولی روایات'' کو مسترد کر دیا مگر اب وہ قولی روایات ہی ''روایات'' کا درجہ منوا چکی تھیں اور اب '' جاری سنۃ'' کے لئے ''احادیث'' میں سے سند دیکھی جاتی تھی، لہذا اب ''احادیث'' ہی صرف وہ ذریعہ تھیں جن کے توسط سے رسول اللہ ﷺ سے ربط پیدا ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ قرآن اولین ذریعہ رہا جیسا کہ وہ نازل ہوا اور سمجھا گیا۔

خلفاء راشدین کے عہد کے بعد قانونی اور اعتقادی معاملات اور انکی توضیحات کے لحاظ سے فرق نمایاں طور پر ظاہر ہونے لگا کیونکہ بنو امیہ کی خلافت نے قانون سازی اور قانونی توضیحات کا کام مستند مذہبی پیشواؤں اور فقہاء پر چھوڑ دیا تھا جو کہ مختلف علاقوں میں رہائش پذیر تھے۔ جس میں سب سے اہم مدینہ کے فقہاء سمجھے جاتے تھے لہذا فقہاء نے اپنی ذاتی

رائے کو قانونی وضاحتوں کا ذریعہ بنایا جن کی بنیاد قطعی طور پر قرآن اور سنت (قولی و جاری سنۃ) رہی اور یہی فقہاء کا اجماع سمجھا جاتا تھا. اس طریقہ میں قرآن کی اولین حیثیت تھی جبکہ باقی تین ذرائع یا اصول قانون سنت، اجتہاد اور اجماع کا آپس میں بہت قریبی تعلق بنتا تھا. سنت اور اجماع میں آپس میں جو فرق تھا، اجتہاد اس فرق کو پاٹنے کا کام کرتا تھا. دوسرے الفاظ میں اجتہاد کے نتیجے میں حاصل ہونے والا فیصلہ آہستہ آہستہ اجماع کی صورت اختیار کر لیتا جو کہ آخری فیصلہ کن حکم سمجھا جاتا تھا. (۱۴)

دوسری صدی ہجری کے وسط میں جب کہ احادیث کی ایک ضخیم تعداد جمع ہو چکی تھی اور منظر عام پر آ چکی تھی اس ہی دور میں امام شافعی نے موجود قانون سازی کے طریقہء کار پر شدید اعتراض کئے اور قانون سازی کے لئے احادیث کے مواد کو بنیاد بنانے پر زور دیا. دیگر الفاظ میں اب احادیث اور صرف احادیث ہی سنت تھیں نہ کہ "جاری سنۃ و جاری روایات" اور نہ ہی ان پر مبنی اجماع. اس کے جواب میں "اہل الحدیث" کے مخالف قانونی مکتبہء فکر نے اپنے اجماع اور "تسلیم شدہ طریقہء عمل" کو جاری رکھا. امام شافعی نے ان کے عمل کے خلاف دلیل دی کہ بنیادی مذہبی معاملات کے علاوہ اجماع نہیں ہو سکتا اور یہ کہ مختلف مکتبہء فکر کا اجماع اور ابتدائی مفکرین کا اجماع اصل اجماع نہیں ہے بلکہ محض اتفاق رائے ہے جو کہ بعض تفصیلات میں متنازعہ بھی رہا ہے. امام شافعی کے نزدیک اگر اجماع ہو سکتا ہے تو صرف روایات بیان کرنے والے راویوں اور روایت کے ذریعے میں ہو سکتا ہے کہ حدیث کے سلسلے میں مکتبہء فکر صرف اسی بنیاد کو رد یا قبول کر سکتے ہیں. اس طرح اجماع کا کردار محض اسناد تک محدود ہو گیا.

امام شافعی کے مطابق اسلامی قانون کے چار بنیادی اصولوں کی ترتیب اب اس طرح ہو گئی کہ قرآن، سنت رسول اللہ ﷺ (احادیث کی روشنی میں) پھر اجماع اور سب سے آخر میں اجتہاد. جس کو فقہاء قیاس کے ذریعے استعمال کریں گے. (۱۵)

امام شافعی کے رسالہ "الناسخ والمنسوخ" کے انگریزی ترجمہ میں ڈاکٹر خلیل سیمان نے امام شافعی کے حوالے سے اس ترتیب کے بارے میں یوں لکھا ہے:

> "No one is allowed to judge a thing as permitted or prohibited on the basis of things other than the Book , the Sunnah of the prophet , Consensus , and the use of Analogy . (These sources are) the ultimate and exclusive sources of knowledge obtainable by man." (p32)

اس نقطہء نظر کے مخالفین نے اجماع کے حق میں ابتدائی نسلوں کے اجماع کی مثالیں پیش کیں مگر "قولی

روایات'' اور'' احادیث'' کے مجموعہ کو زمانے میں مستند مقام حاصل ہو چکا تھا اور امام شافعی کی کاوشیں نظام کی نئی ترتیب کو معاشرے سے منوانے میں کامیاب ہو رہی تھیں. البتہ اجماع کسی نہ کسی صورت ہر زمانے میں جاری رہا تیسری صدی ہجری کے بعد بدلتے ہوئے مذہبی اور معاشرتی حالات میں بھی. بعد میں امام ابن تیمیہ جیسے لوگ بھی سامنے آئے جنھوں نے اجتہاد کی اہمیت کو دوبارہ اجاگر کیا مگر یہ کوشش قرون وسطی تک ہی محدود رہی .(١٦)

اس طرح سنت، حدیث اور دیگر اصول قانون کے بارے میں یہ واضح نظر آتا ہے کہ ابتدائی دور میں'' سنت'' دراصل ایک'' مثالی اخلاقی معیار'' کو قرار دیا جاتا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کو دیکھ کر اپنی زندگیوں میں اختیار کیا اور اسی کی بنیاد پر اپنے معاشرے کی تشکیل کو بھی جاری رکھا، قرآن انکے اجتہاد کی بنیاد تھا۲. (ص ۲۸) اور'' جاری سنۃ'' کو اجماع کے مماثل قرار دیا جاتا تھا۔

دوسری صدی ہجری میں باقاعدہ فقہ کی بنیاد پڑی اور اس کے اصول وضع کیے گئے جن میں سنت، اجتہاد اور اجماع کو اہمیت حاصل رہی مگر پھر اسی صدی ہجری کے آخر میں تحریک حدیث کا آغاز ہوا جو تیسری صدی ہجری تک جاری رہی اور جس کے دوران امام شافعی جیسے عظیم فقہی آئے جنھوں نے اسلامی فقہ کو پہلی بار دستاویزی شکل میں مرتب کیا، گو کہان کا نظریہ'' سنت'' کے لئے اس دور کے عام رویے سے مختلف رہا اور انھوں نے'' احادیث'' کو فقہ میں بنیادی حیثیت دینے کی طرف بھرپور زور دیا اور اجماع کو سنت رسول اللہ ﷺ جو'' احادیث'' کی حیثیت سے مرتب ہو چکی تھیں، کے بعد درجہ دیا لیکن انکی کوششیں اور جدوجہد کامیاب رہیں اور ایک طویل عرصے تک فقہ کے اصولوں کی یہ ترتیب تسلیم کی گئی. فقہ کے لئے سنت رسول اللہ ﷺ کو بحیثیت بنیاد مخصوص کر دینا زمانے کی ضرورت بھی تھی کیونکہ صحابہ کرامؓ جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا، پھر تابعین اور تبع تابعین سے زمانہ خالی ہوتا جا رہا تھا اور آئندہ نسلوں کے لئے کوئی مستند بنیاد فراہم کرنا بے حد ضروری ہو چکا تھا.

'' جاری سنۃ'' معاشرے اور مسلم ریاست کے فروغ اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں تک محدود نہ رہی تھی جنھوں نے ابتدائی زمانہ دیکھ رکھا تھا بلکہ اب بے شمار اقوام اسلامی ریاست کا حصہ تھیں جو کہ مستند دستاویز کو آسانی سے قبول کر سکتی تھیں بہ نسبت معاشرتی رویوں کے، لہذا مرتب احادیث پر فقہ کی بنیاد رکھنا وقت کی اہم ضرورت تھی۔ اس طرح سنت اور حدیث کی اصطلاحات وقت کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے متبادل اور بعض اوقات مماثل کے طور پر قبول کر لی گئیں۔

☆☆☆

حوالہ جات

۱) محمد مصطفی عزمی، ڈاکٹر، ''Studies in hadith Methodology and Literature''، (سہیل اکیڈمی لاہور پاکستان، ۲۰۰۲ء)، ص ۵

۲) ایضاً، ص ۶

۳) محمد زبیر صدیقی، ''Hadith Literature, Its origin,Development and special features''، (سہیل اکیڈمی لاہور پاکستان، ۲۰۰۱ء)، ص ۵

۴) فضل الرحمن، ڈاکٹر، ''slamic Methedology in History''، (سینٹرل انسٹیٹیوٹ آف اسلامک ریسیرچ کراچی پاکستان، ۱۹۶۵ء)، ص ۲

۵) ایضاً، ص ۴

۶) ایضاً، ص ۵

۷) ایضاً، ص ۶

۸) ایضاً، ص ۱۱

۹) ایضاً، ص ۳۲

۱۰) ایضاً، ص ۳۳

۱۱) ایضاً، ص ۲۳

۱۲) ایضاً، ص ۳۹

۱۳) فضل الرحمن، ڈاکٹر، ''History of Religion Islam'' (لندن، ۱۹۶۵ء)، ص ۶۴۔۶۵

۱۴) ایضاً، ص ۷۵

۱۵) ایضاً، ص ۷۶

۱۶) فضل الرحمن، ڈاکٹر، ''Islam and Modernity'' (یونیورسٹی آف شکاگو، شکاگو پریس اینڈ لندن، ۱۹۸۲ء)، ص ۷۹